فلسفۂ حج اور سرسید احمد خاں
(تفسیر القرآن کے حوالے سے)

ڈاکٹر توقیر عالم فلاحی
ریڈر شعبۂ سنی دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

درحقیقت عبادت کی روح عبادت گزار کے خلوص اور اس کی تقویٰ و پرہیزگاری میں مضمر ہوا کرتی ہے اگر عبادتی اعمال کا مقصد محض نظارہ ودکھاوا ہے تو اس کے ذریعہ لوگوں سے داد تحسین تو حاصل کی جاسکتی ہے لیکن خوشنودی پروردگار کا حصول ناممکن ہے۔ فاضل مقالہ نگار نے سرسید کی تحریروں کی روشنی میں حج کے مخلصانہ پہلوؤں کی نشاندہی کی ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ عبادت گذار کو صرف اور صرف خداوند عالم کی رضا وخوشنودی کی فکر ہونی چاہئے، دنیا والوں کی خوشنودی کی پرواہ نہ کرنی چاہئے۔ (ادارہ)

اسلام جن پانچ مہتم بالشان ستونوں پر قائم ہے ان میں حج بیت اللہ کی انفرادیت اس لحاظ سے نمایاں ہے کہ یہ عبادت وقتی ، مالی اور جانی تمام قسم کی قربانیوں کی شاہکار مثال پیش کرتی ہے۔ اس کی تعبیر یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ حقوق اللہ میں اسے اس لحاظ سے تفوق وبرتری کا مقام حاصل ہے کہ ہفتوں پر مشتمل اس عبادت میں بیک وقت جسمانی مشقیں برداشت کرنا پڑتی ہیں، وقت کی قربانی دینی ہوتی ہے، مال خرچ ہوتا ہے اور اعزہ واقارب سے دوری کا صدمہ بھی وقتاً فوقتاً کچو کے لگا تا رہتا ہے۔

وقتی ، مالی اور جانی قربانیوں کا سنگم یہ رکن اسلام، اتحاد واتفاق اور روحانیت کے دل کش اور جاذب نظر مظاہر کا ترجمان اور اسلام کی اجتماعی قوت پر دلیل ناطق یہ عظیم الشان عبادت خدائے بزرگ وبرتر کی نگاہ میں مقبول ومنتخب دو عظیم ہستیوں خلیل اللہ حضرت ابراہیمؑ اور ذبیح اللہ حضرت اسماعیلؑ کی اہم ترین یادگار ہے۔ رب العالمین کے اشارے پر فدا ہوتے ہوئے حضرت ابراہیمؑ نے اپنی شریکۂ حیات حضرت ہاجرہ اور شیر خوار پارہ جگر حضرت اسماعیلؑ کو بے آب وگیاہ رتیلے میدان میں چھوڑ دیا تھا اور یہ گریہ وزاری کی تھی:

ربّنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیرذی زرع عند بیتک المحرم ربّنا لیقیموا الصلوٰۃ فاجعل افئدۃ من الناس تھوی الیھم وارزقھم من الثّمرات لعلّھم یشکرون۔[1]

پروردگار! میں نے ایک بے آب وگیاہ وادی میں اپنی اولاد کے ایک حصے کو تیرے محترم گھر کے پاس لابسایا ہے۔ پروردگار! یہ میں نے اس لیے کیا کہ یہ لوگ یہاں نماز قائم کریں۔ لہٰذا تو لوگوں کے دلوں کو ان کا مشتاق بنا اور انہیں کھانے کو پھل دے، شاید یہ شکر گذار بنیں۔

خلیل اللہ حضرت ابراہیمؑ اپنے لخت جگر حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ اس خانۂ خدا کی از سرنو تعمیر میں والہانہ طور پر مصروف عمل ہوگئے اور بالآخر خدا کا یہ گھر تکمیل کے مرحلے کو پہنچا۔ اس مقدس گھر کا مقصد عالمگیر ہدایت ربانی کے اس فرمان میں واضح ہے:

واذبوأنا لابراهیم مکان البیت أن لا تشرک بی شیئًا وطهر بیتی لطائفین والقائمین والرّکع السّجود۔۲

یعنی یادکرو وہ وقت جب کہ ہم نے ابراہیمؑ کے اس گھر (خانۂ کعبہ) کی جگہ تجویز کی تھی (اس ہدایت کے ساتھ) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو، اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام ورکوع وسجود کرنے والوں کے لئے پاک رکھو۔

دین اسلام کے فروغ وکامرانی اور غلبہ وتمکنت کی کوشش اس مرکزی جگہ مکہ سے مؤثر اور اثر آفرین ہوسکتی تھی اور اسلام کے عالمی پیغام امن وآشتی اور حقیقی فوزوفلاح کے لائحۂ عمل کو عام کیا جاسکتا تھا، اس لئے اس مقدس گھر کی تعمیر کے بعد وہ منشور واعلامیہ بھی جاری ہوتا ہے، جس میں ان دونوں جلیل القدر بزرگ ہستیوں کی آہ سحر گاہی اور دیرینہ تمناؤں کا ماحصل بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے:

واذّن فی الناس بالحج یاتوک رجالًاوعلی کل ضامریاتین من کل فجٍ عمیق۔۳

یعنی اور لوگوں کے لئے اذن عام دے دو کہ تمہارے پاس ہر دور دراز مقام سے پیدل اور اونٹوں پر سوار آئیں۔

حج اسلام کا ایک عظیم رکن اور بڑی اہمیت کا حامل حق اللہ ہے۔ اس کی فرضیت کا اعلان قرآن مجید میں اس طرح ہے:

"وللّٰہ علی الناس حج البیت من السطاع الیه سبیلاً ومن کفر فان اللّٰہ غنی عن العالمین۔۴

یعنی لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو، وہ اس کا حج کرے اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔

حج بیت اللہ کی فرضیت واہمیت احادیث نبویہ سے بھی آشکار ہوتی ہے۔ ایک موقع پر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اے لوگوں! تم پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے حج فرض کیا ہے، لہٰذا تم حج کرو۔ ۵

مذکورہ بالا آیت شریفہ میں فرضیت حج کا علان ہے وہاں اس بات کا بھی علم ہوتا ہے کہ اس فریضہ کو چھوڑنے والا شخص اسلام کے ایک رکن کو پامال کرنے کی وجہ سے کافر ہوجاتا ہے۔ احادیث نبویہ میں بھی اس ترک فریضہ کی سنگینی کو واضح کیا گیا ہے۔ شریعت زحمت نہیں رحمت ہے اور دین آسان ہے جو کائنات کے رب کی جانب سے تمام انسانوں کے لئے بیش قیمت سرمایہ ہے۔ رب ذوالجلال کی رحمانیت اور اس کی حکمت کا تقاضہ تھا کہ کسی کو مالا یطاق کا متحمل نہ بنایا جائے جیسا کہ اللہ رب العزت کی کتاب عزیز میں بھی یہ اصول واضح ہے۔ ٦

چنانچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ بغیر کسی معقول عذر کے صاحب حیثیت شخص فریضے حج کو چھوڑ دے تو دین کی ایک اہم بنیاد کو نظر انداز کردینے یا مذہب کے ایک ستون کو عملی طور پر پامال کردینے کی وجہ سے اس شخص کے کافر ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا۔ بعض احادیث نبویہ ترک فریضہ کی سنگینی کو واضح کرنے میں راہ نما نقوش کی حیثیت رکھتی ہیں۔ رسالت مآب ﷺ کا یہ فرمان قابل ملاحظہ ہے:

من ملک زاداً وراحلة تبلغه الی بیت اللّٰه ولم یحج فلا علیه ان یموت یهودیا او نصرانیا۔

جو شخص ایسے سامان سفر اور سواری کا مالک ہو جو اس کو بیت اللہ تک پہنچادے اور (اس کے باوجود) اس نے حج نہ کیا تو اس کے لئے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ یہودی ہوکر مرے یا نصرانی ہوکر۔

اس رکن اسلام کی پامالی کے مرتکب کی سنگینی وشنائت اس ارشاد نبوی سے بھی عیاں ہے:

من لم یمنعه من الحج حاجة ظاهرة اوسلطان جائر اومرض حابس فمات ولم یحج فلیمت ان شاء یهودیاً وان شاء نصرانیاً۔ ۷

جس شخص کے لئے کوئی ناگزیر ضرورت یا جابر حکمراں یا مہلک مرض مانع نہیں ہوا اور وہ بغیر حج کیے ہوئے مرگیا تو وہ چاہے یہودی ہوکر مرے یا نصرانی ہوکر۔

خلیفہ دوم کے قول سے بھی ترک فریضہ کے اس مذموم عمل کی شدت وسنگینی آشکار ہے:

”میں چاہتا ہوں کہ جو لوگ مطلوبہ اسباب ووسائل کے ہوتے ہوئے یہ فریضہ انجام نہیں دیتے ان پر جزیہ عائد کردوں اس لئے کہ وہ مسلمان نہیں ہیں۔ ۸

فرضیت حج کی ادائیگی میں تردد وتذبذب، بے فکری وبے اعتنائی اور اس کے دور رس اور انتہائی

تشویش ناک نتیجے پر بیسویں صدی کے ایک عظیم محقق کا یہ تبصرہ بڑا اہم اور معنی خیز ہے:

''جو لوگ قدرت رکھنے کے باوجود حج کو ٹالتے رہتے ہیں اور ہزاروں مصروفیتوں کے بہانے بنا کر سال پر سال یونہی گذارتے چلے جاتے ہیں، ان کو اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے۔ رہے وہ لوگ جن کو عمر بھر کبھی یہ خیال ہی نہیں آتا کہ حج بھی کوئی فرض ان کے ذمہ ہے، دنیا کے سفر کرتے پھرتے ہیں، کعبۂ یورپ کو آتے جاتے حجاز کے ساحل سے بھی گذر جاتے ہیں جہاں سے مکہ صرف چند گھنٹوں کی مسافت پر ہے اور پھر بھی حج کا ارادہ تک ان کے دل میں نہیں گذرتا ہے، وہ قطعاً مسلمان نہیں ہیں۔'' ۹

حج بیت اللہ ان موضوعات میں سے ایک اہم موضوع ہے جن پر وافر مقدار میں مختلف زبانوں میں تحریری سرمایہ موجود ہے ۔ جدیدیت کے علم بردار جن علماء اور دانشوروں نے اس اہم موضوع پر خامہ فرسائی کی ہے ان میں سرسید علیہ الرحمہ بھی ہیں۔ یہ بات حلقۂ ارباب علم ودانش میں معروف ہے کہ سرسید کی مرکزی شخصیت ایک عظیم المرتبت مصلح کی حیثیت سے ہے، لیکن اس میں بھی صداقت ہے کہ مختلف علوم وفنون میں انہوں نے زبان وقلم کے جوہر دکھائے ہیں۔

سرسید کے خطبات اور ان کی تحریریں اس بات پر آج بھی ناطق ثبوت ہیں کہ سرسید اسلام سے رشتہ منقطع کر کے عروج واقبال کو قطعاً مقصود ومطلوب نہیں قرار دیتے تھے۔ مولانا الطاف حسین حالی کے بقول مذہب کی ہی آغوش میں انہوں نے پرورش پائی تھی ۔ ۱۰ اور مذہب کی گود میں ہوش سنبھالا تھا۔ ۱۱

موج کوثر کے مصنف کے مطابق سرسید کی زندگی پر مذہب کا گہرا اثر تھا۔ اس وقت مذہب کی ترویج واشاعت اور فروغ وغلبہ کے لئے دو مشہور مکاتب فکر سرگرم عمل تھے۔ ایک شاہ عبد العزیز کا مدرسہ، دوسرا مرزا جان جاناں کے خلف شاہ غلام علی کی خانقاہ۔ پہلے میں ولی اللہ مسلک کی پیروی ہوتی تھی جب کہ دوسرے میں طریقۂ نقش بندیہ مجددیہ کی، سرسید نے روحانیت کے ان دونوں چشموں سے اپنے آپ کو سیراب کیا تھا۔ ۱۲

قرآن مجید عالم گیر ضابطۂ زندگی ہے، جو تمام شعبہ ہائے زندگی میں انقلاب کا ضامن ہے۔ اس میں مسائل ومشکلات کی عقدہ کشائی کا وافر سامان موجود ہے۔ اسے پوری انسانیت کے لئے نسخۂ شفا ہونے کا شرف حاصل ہے اور قیامت تک اس کے مالک نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، چنانچہ صدیاں گذر جانے کے باوجود اس میں کوئی تغیر وتبدل واقع نہیں ہوا۔ یہ کتاب ان تمام لوگوں کے لئے چشمہ صافی ثابت ہوتی ہے جو متلاشئ حق اور جویائے ہدایت ہیں۔ قرآن مجید کی عظمت کے اس درخشاں فکری پہلو کے

علاوہ اس کا ادبی اور فنی پہلو بھی بے مثل او ر بے نظیر ہے، جس کے عشر عشیر تک بڑی سے بڑی انسانی کاوش نہیں پہنچ سکتی۔ کتاب اللہ کے یہ لاثانی اوصاف اور اس کے عالم گیر ہدایت ربانی ہونے کا تصور سرسید کے ذہن وقلب پر نقش ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان وایقان کی شاہراہ پر رہتے ہوئے وہ کتاب اللہ کو مرکزی حیثیت دیتے ہیں اور اس بات کا جرأت مندانہ اعتراف کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے مذہبی افکار میں بہت سی مشکلات اس لیے حائل ہوگئی ہیں کہ براہ راست قرآن سے استفادہ نہیں کیا گیا۔ چنانچہ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ اسلام کو سمجھنے کا سب سے معتبر اور مستند ذریعہ قرآن مجید ہے۔ ۱۳؎ کلام اللہ اور قانون فطرت کے توافق پر اصرار کرتے ہوئے بلاشبہ سرسید نے ہدایت ربّانی کی تعبیر وتفہیم میں بھی عقل ومنطق کی حکمرانی تسلیم کی ہے جس کی بنیاد پر مولانا حالی کی زبان میں سرسید سے رکیک لغزشیں سرزد ہوئی ہیں۔ ۱۴؎ سرسید نے اپنی تفسیر میں حج سے متعلق آیتوں کو خاص اہمیت دی ہے اور متعدد صفحات میں حج بحیثیت فریضہ دینی اور رکن اسلام، ارکان حج، مقاصد حج اور فوائد حج پر بڑی مدلل اور شافی گفتگو کی ہے۔

حج اس طور سے بھی جامع عبادت ہے کہ اس میں دینی اور روحانی فیوض وبرکات کے اکتساب کے ساتھ ہی ساتھ دنیوی منافع حاصل کرنے کا مجاز ٹھہرایا گیا بلکہ اس عظیم الشان عبادت کے لئے دنیا بھر کے لوگوں کی جوق در جوق آمد کا جہاں قرآن مجید میں تذکرہ ہے وہاں منافع کے حصول کو مقصد کے طور پر بتایا گیا ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ دیکھئے:

و اذ بوأنا لابراهيم مكان البيت أن لا تشرک بی شيئًا وطهر بيتی لطائفين والقائمين والرّكع السجود واذن فی النّاس بالحج ياتوک رجالاًوعلى كل ضامرياتين من كل فج عميق ليشهدوا منافع لهم۔ ۱۵؎

یعنی اور جب کہ ہم نے ابراہیم کے لئے اس گھر کی جگہ مقرر کی اس ہدایت کے ساتھ کہ یہاں شرک نہ کرو، اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں کے لئے پاک صاف رکھو اور لوگوں میں حج کی عام منادی کردو کہ وہ تمہارے پاس آئیں، خواہ پیدل آئیں یا ہر دور دراز مقام سے دُبلی اونٹیوں پر آئیں تا کہ یہاں آکر وہ دیکھیں کہ ان کے لئے کیسے کیسے (دینی ودنیوی) منافع ہیں۔

اس آیت کریمہ کے تحت حج کی غایت سے متعلق سرسید اپنا موقف واضح کرتے ہیں:

'' حضرت ابراہیم نے بغرض آبادی مکہ اور ترقی تجارت یہ بات چاہی کہ لوگوں کے آنے اور

زیارت کرنے اور اس مقام پر معبود کی عبادت بجالانے کے لئے ایام خاص مقرر کیے جائیں تا کہ لوگوں کے متفرق آنے کے بجائے موسم خاص میں مجمع کثیر ہوا کرے اور سب مل کر خدا کی عبادت بجالاویں اور مکہ کی آبادی اور تجارت کو ترقی حاصل ہو۔'' ۱۶

آیۂ کریمہ کے اس ٹکڑے ''لیشھدوا منافع لھم'' کی تفسیر کے ضمن میں ترجمان قرآن حضرت عبد اللہ ابن عباس کی رائے بھی حوالۂ ناظرین کرتے ہیں کہ'' منافع لھم، سے منافع الدّنیا والآخرۃ مراد ہے۔ منافع الآخرۃ بادعاء والعبادۃ ومنافع الدّنیا بالربح والتجارۃ مراد ہے، یعنی دنیا اور آخرت دونوں کے منافع مراد ہیں۔ آخرت کا منافع دعامانگنے اور عبادت کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور دنیا کا منافع فائدہ اٹھانے اور تجارت سے۔ اس کے بعد سرسید رقم کرتے ہیں:

'' آنحضرت ﷺ نے بھی اس رسم کو انہی اغراض کے لئے جاری رکھا کہ جس غرض سے حضرت ابراہیمؑ نے مقرر کی تھی، جس کا اشارہ اس آیت میں ہے:'' لیس علیکم جناحٌ ان تبتغوا فضلا من رّبّکم ''، یعنی حج کے دنوں میں اگر تم تجارت سے روزی کمانے کی تلاش کرو تو تم پر کچھ گناہ نہیں ہے... ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کی بنائی ہوئی مسجد میں لوگ نماز پڑھنے آتے تھے اور ابراہیمی طریقہ پر نماز پڑھتے تھے۔ جو سختی اور اضطراب کی حالت حضرت اسماعیلؑ اور ان کی ماں ہاجرہؓ پر صفاومروہ کے مقام پر پانی کی تلاش میں گذری تھی اور اس بے قراری کی حالت میں جس طرح اس نے اپنے خدا کو یاد کیا تھا اور دعا مانگی تھی اس کی یادگار میں وہی حالت اپنے اوپر طاری کرتے ہیں اور خدا کی عبادت کا اپنے دل میں جوش پیدا کرتے ہیں۔ موسم حج کا صرف تجارت کے نقطۂ نظر سے مقرر کیا گیا تھا تا کہ قوم اس سے فائدہ اٹھاوے اور ان ایام میں عرب کی قومیں قافلوں کے لوٹنے اور آپس میں لڑائی جھگڑوں سے باز رہیں۔'' ۱۷

فریضۂ حج کی ادائیگی کا ارادہ کر لینے کے بعد ایسے شخص کے مزاج میں زبردست تبدیلی آتی ہے، دل میں خدائی محبت کا شوق بھڑک اٹھتا ہے اور پھر نیک خیال آنے شروع ہوجاتے ہیں۔ گناہوں سے معافی کی فکر دامن گیر ہونے لگتی ہے۔ جھوٹ، عداوت، غیبت، چغلی اور دوسری تمام برائیوں سے نفرت ہونے لگتی ہے اور اس کے علی الرغم صدق وسچائی، اخوت ومحبت اور خیر خواہی وغم خواری کے جذبات فروغ پانے لگتے ہیں۔ اسے اس بات کا شدت سے احساس ہوتا ہے کہ رب ذوالجلال کے دربار میں اور اسکے کے سب سے محترم ومقدس گھر میں گناہوں کا بوجھ لادے نہ ہو، اس

لیے خیرات وحسنات کی طرف دل مائل ہوجاتا ہے اور سیأت ومنکرات سے متوحش وتنفر ہونے لگتا ہے۔ اس طرح اگر دیکھا جائے تو کئی ماہ پر مشتمل ایک ٹریننگ کورس ہوتا ہے جس میں بندۂ خدا اپنے مقدس سفر پر جانے سے مہینوں پہلے اپنے اوپر نیکیوں کو طاری کر لیتا ہے۔ اپنی تفسیر القرآن میں سرسید نے سفر حج کے روحانی پہلوؤں پر بھی گفتگو کی ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ اس سفر سے جو روحانی فیوض وبرکات حاصل ہوتے ہیں، وہ بے مثل ہیں۔ سرسید رقم طراز ہیں:

''اول اس بزرگ کی سالانہ یادگاری ہے جو دنیا کی قوموں کے لئے اور خدائے واحد کا نام دنیا میں پھیلانے اور فطرت اللہ یا دین اللہ کو تمام دنیا میں شائع کرانے کا باعث ہوا۔ ایسے بزرگوں کی یادگاری قائم رکھنا اور ان کے پرانے تاریخی واقعات کو زندہ کرنا انکے دائمی احسانوں کا اعتراف کرنا ہے اور اس بات کا ہمیشہ یاد رکھنا ہے کہ خدا نے کس طرح انسان تک اپنی برکت اور اپنا فضل پہونچایا تھا۔ یہ یادگاری آئندہ انہی نیکیوں اور فوائد کے جاری رکھنے میں بہت بڑی مددگار ہوتی ہے اور انسان کے دل کو نرم اور نیکیوں کی طرف راغب رکھتی ہے، ہمت بندھتی ہے، دل اور روحانی قوت نیکیاں کرنے پر تازہ ہوجاتی ہے۔ یہ ایک عملی طریقہ روحانی تربیت کا ہے جس کی مثل کوئی دوسرا طریقہ دنیا میں نہیں ہے۔ سویلیزیشن کے زمانہ میں جب کہ نیک دلی اور سچائی اور خداپرستی اور خدا کے احسانات کی یادگاری میں وہی وحشیانہ سوانگ بھرا جاوے تو اس کا نہایت قوی اثر دل پر ہوتا ہے خصوصاً جب کہ وہ ایک گروہ کثیر کے مجمع کے ساتھ ہو اور مجمع کا مجمع ایک شخص یا ایک ذات پاک کی یادگاری میں دیوانہ وار مستغرق ہو۔'' [۱۸]

تقویٰ مخصوص یا محدود مفہوم میں مستعمل نہیں ہے۔ بندۂ خدا سے یہ تقویٰ صرف مسجد میں مطلوب نہیں ہے اور نہ ہی صرف قرآن مجید کی تلاوت اور سنن ونوافل کی ادائیگی کے وقت اس وصف کا مطالبہ ہوتا ہے، بلکہ یہ خوف خدا اور خشیت الٰہی سے عبارت ہے اور یہ وصف بندۂ مومن سے ہمہ آن اور ہمہ وقت مطلوب ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ برائیوں سے روکنے کی بابت اسے ایک موثر ترین حربہ کی حیثیت حاصل ہے۔ پولیس کا ڈنڈا، حکومت کا قانون، معاشرے کی کوئی روایت آبادی میں تو مؤثر ہوتی ہے، دن کی روشنی میں تو ان طریقوں کی افادیت کا قدرے اندازہ ہوتا ہے، شاہراہوں اور چوراہوں پر تو ان اسباب کی معنویت معلوم ہوتی ہے لیکن رات کی تاریکی میں، بند کمرے میں، آبادی سے دور کسی جنگل یا ویرانے میں جو طریقہ یا قانون دوررس اور پائدار اثرات ونتائج کا حامل ہوتا ہے

وہ صرف تقویٰ کا قانون ہے۔ اسی لیے ایسے سیکڑوں مقامات پر تقویٰ اور اس سے مشتق دوسرے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، جن کا مقصد یہ ہے کہ اچھائیوں سے رغبت اور برائیوں سے اجتناب کے لئے اسے موثر ترین ذریعہ کی حیثیت سے سامنے لایاجائے اور اس کی افزائش کی تلقین کی جائے۔ دوسرے الفاظ میں کہاجاسکتا ہے کہ یہ ایسا ضابط وحکمراں ہے جو اگر دلوں پر حکمراں ہوجائے تو زندگیاں انقلاب آشنا ہوجاتی ہیں اور بالآخر یہ ایک انسان کو ہر جگہ مرضیٔ مولا کے حصول کا دل دادہ ومشتاق بنادیتا ہے۔

اسلامی عبادات کی روح در اصل یہی تقویٰ ہے، اگر عبادات روح سے خالی ہوجائیں تو وہ بے روح جسم کی طرح ہوجاتی ہیں اور پھر یہ ہرطرح سے بے وقعت ہوجاتی ہیں۔ نماز اپنی روح سے خالی ہوتو وہ جسمانی ورزش ہوجاتی ہے، زکوٰۃ اپنی روح سے خالی ہوتو محض اپنی دولت کے اشتہار کا ایک ذریعہ ہے، روزہ اپنی روح سے خالی ہونے پر بھوک ہڑتال سے موسوم ہوتا ہے اور اسی طرح حج اگر اپنی روح سے خالی ہوجائے تو یہ محض سیروسیاحت ہے۔ اس لئے قرآن مجید میں جہاں حج کی فرضیت کا ذکر ہے اس کے آداب وشرائط میں سے ایک بنیادی شرط توشۂ راہ ساتھ لے لینے کی ہے اور بہترین توشہ تقویٰ کو قرار دیا جاتا ہے۔

وتزودوا فان خیر الزاد التقویٰ۔۱۹

یعنی اور زاد راہ لے لو پس بہترین زاد راہ تقویٰ ہے۔

حج صحیح معنوں میں تقویٰ کی روح کے ساتھ اس کے ارکان کی ادائیگی کا نام ہے، احرام باندھنا، طواف کرنا، وقوف عرفات کرنا، صفا ومروہ کے درمیان سعی کرنا ، مزدلفہ میں قیام کرنا، رمی جمارکرنا، حلق کر نا اور قربانی کرنا ، یہ سب فرائض و واجبات اگر رسوم وروایات کی انجام دہی کی نیت سے ادا کئے جائیں، محبت الٰہی دلوں میں جاگزیں نہ ہو اور خوف خدا ذہن ودماغ پر حاوی نہ ہوتو اس کے ثمرات خیر یا نتائج حسنہ سے محرومی ہی ہاتھ آتی ہے۔

تقویٰ کی روح سے خالی حج پر سرسید کا قلم حرکت میں آتا ہے:

” جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس پتھر کے بنے ہوئے چوکھٹے گھر میں ایک ایسی متعدی برکت ہے کہ جہاں سات دفعہ اس کے گرد پھرے اور بہشت میں چلے گئے، یہ ان کی خام خیالی ہے، کوئی چیز سوائے خدا کے مقدس نہیں ہے۔ اسی کا نام مقدس ہے اور اسی کا نام مقدس رہے گا۔ اس چوکھوٹے گھر

کے گرد پھرنے سے کیا ہوتا ہے۔اس کے گرد تو اونٹ اور گدھے بھی پھرتے ہیں وہ کبھی حاجی نہ ہوئے۔ پھر دو پاؤں کے جانور کو اس کے گرد پھر لینے سے ہم کیوں کر حاجی جانیں۔ ہاں جو حقیقتاً حج کرے وہ حاجی ہے۔"

وقت ، مال اور جان کی قربانیوں کا سنگم یہ عظیم الشان رکن اسلام خدائے بزرگ و برتر کی ان معزز اور برگزیدہ ہستیوں خلیل اللہ حضرت ابراہیم اور ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کی اہم ترین یادگار ہے۔ صاحب حیثیت ہونے کے باوجود اس فریضۂ دینی کا تارک قرآن وسنت کی تعلیمات کی روشنی میں کفر کا مرتکب ہے۔خلوص وللّٰہیت ،تقویٰ و وفاشعاری ،ایثار وقربانی اور اتحاد واتفاق اس فریضۂ دینی کے وہ قیمتی اسباق ہیں جو حج بیت اللہ کے تربیتی کورس سے مستنبط ومستفاد ہوتے ہیں۔ اس رکن اسلام کے فریضۂ دینی ہونے، اس کی اہمیت اور اس کے فیوض وبرکات پر جن علماء ودانش وروں نے فکر وفن کا سرمایہ لٹایا ہے اور زبان وقلم کا زور صرف کیا ہے ان میں انیسویں صدی کے ہندوستان کی ایک مشہور وممتاز اصلاح قوم کی علم بردار شخصیت سرسید احمد خاں کی ہے جنہوں نے دوسرے موضوعات کے ساتھ ساتھ حالات وضروریات کے تقاضے سے مجبور ہو کر تفسیر قرآن پر بھی اپنی توجہات مرکوز کی اور حج سے متعلق آیات پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ دلائل وشواہد کی روشنی میں اس موقف پر اصرار کرتے ہیں کہ ایک حاجی دینی اور دنیوی دونوں قسم کے منافع حج حاصل کرنے کا مجاز ہے۔ سرسید کو اس بات پر شرح صدر حاصل ہے کہ یہ عبادت در اصل ایک بے مثل تربیتی کورس ہے جو ایک حاجی کو ان اوصاف وکمالات کا متحمل بنادیتا ہے جو خدا پرستی اور اس کی شکر گذاری کے خاص مظاہر ہوتے ہیں ۔ سرسید اس بات کو علی رؤس الاشہاد عام کرنا چاہتے ہیں کہ یہ عبادت اگر تقویٰ کی روح سے خالی ہے تو اسے حج سے موسوم قطعاً نہیں کیا جاسکتا اور یہ محض اس جسد خاکی کی طرح متصور کی جانی چاہئے جس سے روح پرواز کرگئی ہو۔

حوالہ جات:

۱۔سورہ ابراہیم: ۳۷

۲۔سورہ الحج: ۲۶

۳۔سورہ الحج: ۲۷

۴۔سورہ آل عمران: ۹۷

۵۔سورہ مسلم بن حجاج القشیر ی: الصحیح المسلم، ج ا،ص ۴۳۲
۶۔سورہ البقرہ: ۲۸۲
۷۔سورہ ابوعیسیٰ الترمذی، الجامع للترمذی، ج ا،ص ۱۰۰
۸۔ابو الاعلیٰ مودودی: خطبات (انگریزی ترجمہ) ص ۲۱۸،۱۹۷ء
۹۔ابو الاعلیٰ مودودی: خطابت ،ص ۲۸۰-۲۸۱، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی ۱۹۹۴
۱۰۔ملاحظہ ہو: مجموعۂ لکچرز سرسید،ص ۱۸۰، بحوالہ عشرت علی قریشی: سرسید اپنے اقوال وافکار کے آئینے میں،ص ۶۳۔رابطہ عامہ،علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔
۱۱۔الطاف حسین حالی، حیات جاوید،ص ۷۷۲،فروری ۱۹۵۷ء، لاہور
۱۲۔محمد اکرام ،موج کوثر،ص ۸۷۔۷۹،۱۹۸۷ء، دہلی
۱۳۔پروفیسر خلیق احمد نظامی ،سرسید احمد خاں،ص ۱۲۹، جون ۱۹۷۱ء،دہلی
۱۴۔الطاف حسین حالی، حیات جاوید،ص ۱۷۷
۱۵۔سورہ الحج: ۲۶۔۲۸
۱۶۔سر سید احمد خاں: تفسیر القرآن، جلد اول،ص ۲۴۹، ۱۰۵۳،مطبع عام، آگرہ
۱۷۔تفسیر القرآن ، ج ا،ص ۲۵۰
۱۸۔تفسیر القرآن ، جلد ا،ص ۲۵۰-۲۵۱
۱۹۔سورہ البقرہ: ۱۹۷